اردو کی ادبی تاریخ کے اصول وضوابط

منزہ منور سلہری

Munazza Munawar Sulehri

Senior Lecturer, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

The title of this research article is "Urdu ki Adabi Tareekh Key Asool o zwabit" which has highlighted the some rules for writing of Urdu literature history and with also considered the opinion of history writers of Urdu literature. This article will be helpful for understanding of history of Urdu literature books.

تاریخ ادب، فن کا کوئی الگ سے مستقل شعبہ نہیں ہے۔ تاریخ ادب کا تعلق ادب اور معاشرے دونوں سے ہی ہے۔ جس طرح تاریخ لکھنے والا انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں اور متعلقہ شعبوں پر نظر رکھتا ہے اور سیاسی تاریخ کو سیاست اور اقتصادیات سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے، ایسے ہی ادب بھی زمانے کے سماجی، اخلاقی، سیاسی و اقتصادی حالات سے متاثر ہوتا ہے اور ادبی تاریخ لکھنے والا اس دور کے سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات کو نظر میں رکھتا ہے۔

تاریخ خواہ کسی نوعیت کی بھی ہو اس کا لکھنا آسان نہیں، اُردو ادب کی تاریخ تو اس بنا پر اور بھی مشکل ہو جاتی ہے کہ اس میں ادبی مورخ کو کئی امور ملحوظ رکھنے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر ادبی مورخ کیلئے کچھ اصول بتاتے ہوئے چند اہم نقطوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱: تخلیقی شخصیات کا حوالہ

۲: تخلیقات کے حوالے اور ان پر تنقید و تبصرہ

۳: مختلف تخلیقی تجربات کی قدر و قیمت طے کرنا

۴: ادب میں رجحانات، میلانات اور مختلف تحریکوں کا تجزیہ اور ان کا محاکمہ

۵: تمام ادبی صورتحال اور تخلیقی شخصیات کے مطالعے کے لئے سیاسی، سماجی، اخلاقی، اقتصادی امور کو پیش نظر رکھنا(۱)

جس طرح کسی کتاب کے پس منظر میں مصنف کی شخصیت جھلکتی ہے اسی طرح ایک قوم کے ادب کی تاریخ کے پیچھے اس کے قومی خصائص موجود ہوتے ہیں۔ یوں ادبی تاریخ کے ہر دور کے پیچھے

اس دور کی شخصی و اجتماعی تخلیقی قوتیں بطور محرک موجود ہوتی ہیں۔ اور یہ قوتیں اپنے دور کے مذہبی، سیاسی اور فلسفیانہ افکار سے متاثر ہوتی ہیں لہٰذا اُردو ادب کا مورخ لازمی طور پر برصغیر کے سیاسی حالات، معاشرتی رسوم ورواج اور مذہبی افکار کو اپنے پیشِ نظر رکھے گا۔ ڈاکٹر علی جاوید لکھتے ہیں:

''ادبی تاریخ کو نہ محض ادب پاروں کی جمالیاتی کیفیات یا تنقید وار دیا جا سکتا، نہ محض بدلتے ہوئے مذاقِ سخن کی دستاویز بلکہ وہ زبان اور ادب کے نشوونما کی داستان بھی بیان کرتی ہے اور ان کے پیچھے بدلتے ہوئے ادبی ذوق کی کہانی بھی کہتی ہے، ادبی تاریخ ادب اور سماج دونوں کو مکمل اکائی کی شکل میں دیکھتی ہے اور ادب کو سماج کی تخلیق اور ادب کے سماج پر اثرات، دونوں کے رابطے سے بحث کرتی ہے۔''(۲)

تاریخ ادب میں سیاسی اور اقتصادی حالات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف ادوار کی اخلاقی اقدار اور معاشرے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ خاص طور پر وہ معاشرتی اقدار یا افکار جو تحریک بن کر تخلیق کیلئے ماحول کو سازگار بناتے ہیں، مورخ کیلئے اہم ہوتے ہیں۔ تاریخ ادب کے انہی مقاصد کے حوالے سے ولیم ہنری ہڈسن لکھتے ہیں:

"Our chief object will then to be investigate the origin, growth and decay of literary fashions and taste, the rise and fall of formation of schools. Critical standards and ideas, the influance of particular men in initiating fresh tendencies and giving a new direction to literature."(3)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھی اس نکتہ نظر کی حمایت کرتے ہیں کہ:

''تذکروں میں سے سیرت وسوانح اور شاعری کے حسن و قبح کے بارے میں بعض کارآمد ارشاد ملتا ہے لیکن صرف ان کی بنیاد پر اردو ادب کی تاریخ مرتب نہیں کی جا سکتی۔ ادب کی تاریخ میں اپنے عہد کے ثقافتی و تہذیبی آثار و احوال کے ساتھ پورے ادب یعنی نثر و نظم دونوں کی جملہ اصناف اور ان کے اسالیب کو زیرِ بحث لانا ضروری ہے۔''(۴)

تاریخ و تنقید ادب کے اہم شعبے ہیں، تاریخ کو تنقید سے الگ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جب ہم یہ طے کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی تاریخ ادب میں کون سے ادوار، تحریکات اور رجحانات کا جائزہ لینا ہے تو تنقید جائزہ لینے، میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ البتہ تنقید کی اہمیت اپنی جگہ مستند ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ

ادبی تاریخ نویسی میں تنقید اپنا وجود منوانے میں کامیاب ہوتی ہے یا نہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی رائے ہے:

''ادب کے مورخ کیلئے ضروری ہے کہ اس میں بیک وقت تاریخی شعور بھی ہو اور قوت تجزیہ بھی، نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت بھی ہو اور گہری تنقیدی نظر بھی۔ تحقیقی مزاج و تربیت بھی ہو اور گہرا لسانی شعور بھی۔ اس نے نہ صرف اپنے ادب کا ''مربوط'' مطالعہ کیا ہو بلکہ قدیم و جدید تر ادب پر بھی گہری نظر رکھتا ہو۔ اس میں واقعات کو منطقی ترتیب سے بیان کرنے کی ایسی صلاحیت ہو کہ روایت کی تشکیل، تعمیر اور پھر مختلف عوامل کے زیر اثر پیدا ہونے والی تبدیلی کے تدریجی سفر کو بھی تاریخ و ادب میں واضح طور پر دکھا سکے۔'' (۵)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے گہری تنقیدی نظر کی بات کی ہے اس کا مطلب ادبی تاریخ لکھنے کے دوران تنقید کی مختلف صورتیں اختیار کی جا سکتی ہیں یعنی تحقیق و معروضی، نفسیاتی و سماجیاتی، تہذیبی و نظریاتی اور عملی اور تجرباتی۔ غرض تنقید کی مختلف صورتیں جہاں ضرورت محسوس ہو وہاں اختیار کرنی چاہئے۔ تنقید کو تاریخ سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تنقید و تاریخ کی دستگیری نہ کر رہی ہو تو تاریخ محض واقعات کا انبار بن جائے۔ تنقید تاریخ کے اہم اور غیر اہم واقع میں امتیاز کرنے کی صلاحیت ہی عطا نہیں کرتی بلکہ ''اہم'' کی تحسین اور ''غیر اہم'' کو نظر انداز کرنے کی قابل بھی بناتی ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری ادبی مورخ کو محقق سے زیادہ نقاد ہونے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن ساتھ وہ اس بات کے بھی حق میں ہیں کہ:

''ایک اچھی تاریخ ادب وہ شخص نہیں لکھ سکتا جو صرف محقق ہو اور نہ ہی تاریخ ادب کی تصنیف کسی ایسے فرد کا کام ہے جو صرف نقاد ہو۔ اچھی تاریخ ادب صرف وہی ادیب لکھ سکتا ہے جو بیک وقت تحقیق و تنقید پر قدرت رکھتا ہو۔'' (۶)

ادب کو ایک تسلسل سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ میں دیکھیں تو سکوت کے لمبے لمبے وقفے ملتے ہیں جیسے حضرت بابا فرید گنج شکر کے بعد حضرت امیر خسرو اور پھر آپ کے عہد سے لے کر قطب شاہی یا بہمنی دور تک کے درمیان لاعلمی حائل ہے۔ اگرچہ اب اس سکونت کو ختم کرنیکا احساس جاگا ہے اور کام ہونے لگا ہے لیکن دوسرے پہلو کو دیکھیں تو تسلسل یوں ٹوٹ جاتا ہے کہ تاریخ مختلف انداز میں ہمارے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ کسی تاریخ میں مورخ اصناف کو مدت پر رکھتے ہوئے تاریخی واقعات اور حقائق کو بیان کرتا ہے۔ مورخ شاعری کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ شعر و ادب کی تاریخ کو بیان کرتے ہیں کہیں کسی مورخ کیلئے شعر زیادہ اہم ہو جاتے ہیں۔ جیسے (دبستان دہلی، دبستان لکھنؤ، ابو سعید نورالدین کی ''تاریخ ادبیات اردو'' حصہ نظم وغیرہ۔

جب قاری کو ایک تسلسل اور روانی چاہئے جس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ سیکھتا بھی ہے اور حفظ بھی اٹھاتا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری تسلسل کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں:

''مورخ تاریخ پیدائش، سن وفات اور زندگی کے اہم واقعات کے سن فراہم کرتا ہے گویا سب سے پہلے وہ سوانحی مواد حاصل کرتا ہے پھر اس مرحلے کو طے کرنے کے بعد ادبی تاریخ کی روایت۔ تسلسل۔ رجحانات، نظریات اور ہر عہد کے ادبی ارتقاء کر غور و فکر کر کے مصنفین کے کام کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے۔''(۷)

تقریباً تمام مورخین تسلسل کو برقرار رکھنے کے حق میں ہیں لیکن عملی طور پر کہیں کہیں اس کی کمی کا احساس بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اس کے لئے ان کی مجبوریوں اور ناکامیوں کو زیرِ بحث لایا جا سکتا ہے۔ ادب کے تسلسل کے ساتھ ساتھ ایک نکتہ ادب برائے زندگی کے حوالے سے محمد صادق نے یوں بیان کیا ہے کہ:

''ادب اور زندگی کے تسلسل کو ذہن میں رکھا جائے۔''(۸)

ڈاکٹر جمیل جالبی اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے اسے کسی حد تک اپنی تصنیف ''تاریخ ادب اردو'' جلد دوم میں اپنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے:

'' تاریخ کا کام صرف یہ نہیں کہ واقعات و حقائق کا محض اندراج کر دے بلکہ ضروری ہے کہ مختلف سروں کو باہمی ربط دے کر ایک ایسی تنظیم میں لے آئے کہ یہ تصویر پڑھنے والے کے ذہن پر نقش ہو جائے اور ادب کا حقیقی تاریخی ارتقاء بھی نظروں کے سامنے آ جائے۔''(۹)

یہی تنظیم وہ تسلسل ہے جس سے روایت کی پاسداری کے ساتھ ارتقائی منازل طے کی جاتی ہیں اور تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے ایک مورخ کامیاب ادبی تاریخ لکھ سکتا ہے۔ مورخ کا تسلسل قائم رکھنے سے یہ فائدہ ہوگا کی ادبی تاریخ کا کوئی بھی پہلو نظروں سے اوجھل نہیں ہوگا۔ تاریخ نویسی میں مآخذ بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ جن کی بنیاد پر تحقیق اور تنقیدی شعور سے کام لیا جاتا ہے۔ ادبی مورخ تاریخ میں جو کچھ بیان کرتا ہے کسی ذریعے سے رجوع کرتا ہے اور اس کا حوالہ پیش کر کے اپنی بات کو مستند بناتا ہے۔ دراصل مورخ ایک جاسوس کی طرح شہادتوں کی تلاش کرتا ہے اور جانچ پرکھ سے کام لے کر نتائج قبول کرتا ہے۔ مرزا سلیم بیگ مآخذ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''ادبی تاریخ کے سلسلے میں مآخذ کو ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مورخین اس سلسلے میں بے حد احتیاط سے کام لیتے ہیں اور حتی المقدور بنیادی ماخذات تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں''(۱۰)

بنیادی ماخذات یا دستاویزات اگر نہ مل سکیں تو دیگر تصانیف، حوالے یا مقالے کے لئے جہاں تک رسائی ہو سکتی ہے مواد اکٹھا کر کے اس میں سے عمدہ اور بہتر انتخاب ضروری ہے۔ غیر مطبوعہ تصانیف کو بھی شامل انتخاب کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی ایسے نقطہ کی طرف اشارہ کرتے

ہیں جسے کئی ناقدین ماننے کو تیار نہیں۔ان کا کہنا ہے کہ:

''جن مصنفوں کی تصانیف غیر مطبوعہ ہوں ان کے اقتباسات اپنے نقطہ نظر یا تنقیدی رائے کی وضاحت کے لئے زیادہ دیں کیونکہ وہ مخطوطے قاری کی دسترس سے باہر ہیں۔''(۱۱)

اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ تاریخ ادب میں کم وبیش ہر بات کو حوالے اور سند کے ساتھ پیش کیا جائے۔ وگرنہ بات بے وقعت ہو کر رہ جائے گی۔ ادبی مورخ کا منصب بہت اہم ہے اس لئے انتہائی ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تاریخ نویسی کے ضمن میں اولین اور بنیادی نوعیت کے مآخذ سے رجوع کرنا چاہئے۔اولین اور بنیادی مآخذ کے بارے میں رشید حسن خان لکھتے ہیں:

''حوالے کا قابلِ قبول ہونا متعدد باتوں پر منحصر ہوتا ہے۔مثلاً یہ کہ واقعے اور روایت کی درمیان ایسا زمانی فعل نہ ہو کہ روایت کا تسلسل ٹوٹ جائے روایت اگر ذاتی معلومات پر مبنی ہے اور راوی غیر معتبر بھی نہیں اس صورت میں امکان کی حد تک یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ غلط فہمی جانب داری یا ایسے ہی کسی محرک کے اثرات تو کارفرما نہیں ہو رہے ہیں۔راوی اگر موخر ہے تو ضروری ہے کہ روایت ایسے مآخذ پر مبنی ہو جس کو اولین مآخذ کہا جا تا سکے۔ تاریخ ادب کی کتابیں، لغات، انتخابات، نصابی کتابیں ان کتابوں میں اور ان جیسی کتابوں میں قدیم و جدید شاعروں کا کلام اور نثر کے اجزا محفوظ ہیں چوں کہ یہ معلوم ہے کہ ایسی پیش تر کتابوں میں نقل در نقل سے کام لیا گیا ہے۔ایسی کتابوں کی حیثیت ثانوی مآخذ کی ہوا کرتی ہیں۔''(۱۲)

اس طرح ادب کی تاریخ صحیح طرح مرتب کی جاسکتی ہے۔ چناں چہ مآخذ ہی وہ بنیاد ہیں جن پر تاریخ کی تحقیقی وتنقیدی عمارت استوار ہوتی ہے۔تاریخ ادب میں ادوار کی تقسیم بھی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ادوار کے ذریعے نہ صرف حقائق میں تنظیم بلکہ اس دور کے رجحانات بھی سامنے آتے ہیں۔مثال کے طور پر میر وسودا کا دور، غالب ومومن کا دور وغیرہ۔ادبی تاریخ میں ادوار کی تقسیم کس اصول پر ہونی چاہئے؟ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اپنے انٹرویو میں اس کے جواب میں کہتے ہیں:

''ادبی مورخ کا کام ادب کا ارتقا دکھانا ہے یعنی قدیم ماضی سے لے کر جہاں سے اس کو اس زبان کے ادب کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں وہاں سے شروع کر کے اور اس کے عہد بہ عہد گزرتے ہوئے موجودہ دور تک جو شکل ادب نے اختیار کی ہے عہد بہ عہد گزرنے کا مطلب ہے کہ اس میں مختلف رجحانات آئیں گے اس میں خیالات کی تبدیلی ہوگی اس میں عہد بہ عہد حالات بدلیں گے۔سیاسی

سماجی پس منظر بدل جائے گا۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے نئے رجحانات پیدا ہوتے ہیں اور عام طور پر ادوار بندی یعنی Chapter کی تقسیم اسی اصول پر کی جائے گی یعنی ہمیں تبدیلی کے واضح آثار نظر آتے ہیں وہاں ہم نیا دور یا نیا Chapter بناتے ہیں۔ اگر ادب ایک ہی انداز میں چل رہا ہے تو پھر نیا دور بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تاریخ ادب کا فن یہ ہے کہ یہاں کوئی بڑی تبدیلی آتی ہے وہاں اس تبدیلی کا اظہار نئے دور یا نئے باب کی شکل میں کیا جاتا ہے۔''(۱۳)

ادوار کی تقسیم مورخ کو اس دور کی اہم ادبی روشوں کو مدِ نظر رکھنا چاہئے۔ اس ادبی دور کا تخلیق کار اس دور کی مخصوص فکری تحریک اور نظامِ فکر کا مالک ہے تو مورخ کو اس کے اس طرزِ عمل کی وضاحت کرنی چاہئے۔ جہاں ادب میں نئے رجحانات خیالات پیدا ہوتے ہیں وہاں سے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر کوئی تبدیلی اردو ادب میں واقع نہیں ہوتی تو پھر ادوار میں تقسیم کرنے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی رائے بڑی واضح ہے:

''ادوار کی زمانی تقسیم کے ساتھ، روایت کی تشکیل و تعمیر اور ردِ عمل و تبدیلی کو بنیادی طور پر سامنے رکھا جائے تا کہ زمانی ترتیب، روایت کا سفر اور روح ادب بیک وقت سامنے آجائیں۔''(۱۴)

کسی قوم کی ادبی تاریخ اس قوم کی سیاسی و اجتماعی تاریخ کی عکاس ہے۔ ادبی تاریخ اور سیاسی تاریخ ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ سیاسی تاریخ کا اثر ادبی تاریخ پر بھی پڑتا ہے اور مورخین ادب اس اثر کو قبول کرتے ہوئے ادبی تاریخ کو مختلف ادوار میں تقسیم کر کے اس دور کے ادب پر پڑنے والے سیاسی اور خارجی حالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ اردو ادب کے مورخین نے دور بندی کے اسی سیاسی اصول کو اپناتے ہوئے اردو ادب کو ادوار میں تقسیم کیا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، انور سدید اور ڈاکٹر سلیم اختر نے اپنی کتابوں میں ادوار بندی کو زیادہ منطقی اور تدریجی بنایا ہے۔

ادبی تاریخ میں جہاں حقائق اہمیت کے حامل ہیں وہاں اسلوب کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ ادبی تاریخ کے اسلوب بیان کیسا ہونا چاہئے؟ اس کے جواب میں مختلف آرا ملتی ہیں۔ بعض ناقدین ادبی تاریخ کے لئے بھی ایسا اسلوب تجویز کرتے ہیں جو سیاسی تاریخ اور کسی سائنس کی کتاب کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ یعنی غیر جانب دارانہ طور پر براہِ راست حقائق کی پیش کش۔ جبکہ کچھ ناقدین کے خیال میں ادبی تاریخ کے اسلوب میں معروضیت آ ہی نہیں سکتی۔ مورخ کو لازمی طور پر الفاظ کی مینا کاری کرنا پڑتی ہے ورنہ کتاب کسی قدر خشک اور بوجھل ہو جائے گی کہ قاری اس سے اکتا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے قریباً تمام مورخین ادب نے اسلوب کے خاص طور پر خیال رکھا ہے کہ اسلوب کی رنگینی حقائق کو مسخ نہ کر دے اور تنقیدی آرا دیتے وقت کوشش کرنی چاہئے کہ غیر جانبداری کا ہی مظاہرہ ہو۔ ڈاکٹر جمیل جالبی

ادبی تاریخ کے اسلوب کے حوالے سے تجویز دیتے ہیں:

''ایسا اسلوب جو آئینہ کی طرح شفاف ہو، رواں اور شگفتہ ہو اور عام بول چال کے قریب ہوتے ہوئے بھی ادبی ہو۔''(۱۵)

کوئی بھی فن پارہ تاریخ کا محض گزرا ہوا واقعہ نہیں ہوتا۔ اس فن پارے کے اندر اتنی کشش اور قوت تو زمانے میں موجود رہتی ہے جو اس دور کے قارئین کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔ اس ادیب یا ادب پارے سیاسی تاریخ کے واقعات کی طرح مردہ یاداشت کا انبار نہیں ہوتے۔ اسی موضوع پر بات کرتے ہوئے محمد سعید لکھتے ہیں:

''اچھے اسلوب کا تقاضا تو یہی ہے کہ ابلاغ کے ساتھ ساتھ مصنف اور قاری میں ایک رابطہ بھی برقرار رہے۔ قاری اگر ایک کتاب کسی طرح حاصل کرتا ہے اور پھر اسے پڑھنے کیلئے قوت صرف کرتا ہے تو علم یا معلومات کے ساتھ اتنا تو حق ہے کہ مصنف، اجنبیت اور غیریت کو ختم کر کے اپنایت کا لہجہ استعمال کرے۔''(۱۶)

مورخ نہایت محتاط طریقے سے کسی ادیب اور ادب پارے کو تاریخ کا حصہ بناتے ہیں۔ کیونکہ جو فن پارہ اسنے منتخب کرنا ہے وہ اپنے دور میں تو مقبول تھا ہی، حال اور مستقبل میں بھی پڑھنے والوں کو لطف اندوز کرے گا۔ چناچہ مورخ ادب اپنی اعلیٰ ترین تنقیدی بصیرت کو کام میں لا کر پڑھنے والوں کو اس ادب پارے کے جوہر اور اس کی ادبی قدر و قیمت سے آگاہ کرتا ہے۔ مورخ ادب کو ایسے اسلوب اختیار کرنا چاہئے جو واضح اور دلچسپ ہو۔ اسے چاہئے کہ ابہام پیدا کرنے والے اسلوب سے احتراز کرے، پیچیدہ اور مشکل الفاظ کے استعمال سے اظہار کی علمیت کی بجائے آسان لفظوں میں اظہار مدعا کی طرف توجہ دے۔

تاریخ ادب میں تحریروں کے نمونے شامل کرنے کی بھی ایک اپنی اہمیت ہے۔ اس میں مورخ کیلئے ایک تو یہ بات ضروری ہو جائے گی کہ جن مصنفین کو وہ تاریخ کا حصہ بنا رہا ہے ان کی تقریباً تمام نگارشات کا مطالعہ کرے اور پھر اس میں سے کسی منتخب تحریر کو نمونے کے طور پر پیش کرے تا کہ قاری تحریر کے نمونے سے اس مصنف کے رجحانات اور خیالات اور انداز کو سمجھ سکے یوں وہ تحریر مورخ کے مزاج سے اور اس کے تنقیدی رویہ سے بھی آگاہی دے گی۔ حامد حسن قادری تنقید کے حوالے سے ''داستان تاریخ اردو'' میں اسطرح لکھتے ہیں:

''بے لاگ اور بے باک تنقید کرنا نا صرف تصنیف پر بلکہ ذات مصنف پر بھی (مصنف کی حیثیت سے) اب تک ''پل صراط'' پر گزرنے سے کم نہیں ہے لیکن میں نے اس کی جسارت کی ہے۔ میں نے تصنیفوں اور مصنفوں پر اعتراضات کئے ہیں، دوسروں کے اعتراضات نقل کر کے حسب موقع ان کی تائید یا تردید کی ہے۔ میری تنقیدیں شاید تلخ و بیباک نظر آئیں لیکن بے لاگ اور بے لوث بھی

ثابت ہوں گی ۔ میں نے صحیح تاریخ اور جائز حمایت بھی ایسی کی ہے کہ کسی دوسرے مورخ وتذکرہ نویس نے نہیں کی ۔ میرے نزدیک یہ سب ایک تارک وتذکرے کے ضروری اجزا تھے ، بغیر اس روشنی کے کسی تصنیف و مصنف کے مطالعہ کا صحیح راستہ نظر نہیں آ تا ۔''(۱۷)

مورخ کو اس وسعت مطالعہ سے جو ایک اور فائدہ ہوگا وہ سماجی تبدیلیوں کے زبان و بیان پر اثرات ہوگا ۔ وہ سماجی تبدیلیوں کے زبان و بیان پر اثرات کا بھی ہے اور یہی اثرات جب تاریخ ادب میں آئیں گے تو تنوع کو احساس ہوگا ۔ اس کے علاوہ جب مورخ کسی ادیب کی خوبیاں بیان کرتا ہے تو مثال کے طور پر نگارشات کے نمونے پیش کرنا ضروری ہوتا کہ کسی ادیب کے خیالات کا اندازہ اس کی نگارشات سے ہو سکے ۔ اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''تاریخ ادب نہ صرف ادب کی بلکہ سماجی تبدیلیوں کے زیر اثر زبان و بیان کی تاریخ بھی ہوتی ہے ۔ ادب کی تاریخ میں تخلیقات کا مطالعہ بھی آ جاتا ہے ۔ جنہوں ے اپنے دور میں معاشرے کو متاثر کیا اور سماجی تبدیلی کے ساتھ بے جان ہو کر تاریخ کی جھولی میں جا گریں اور ان کا جو قدیم ہوتے ہوئے بھی آج اسی طرح زندہ موجود ہیں ۔''(۱۸)

محنت اور دیانتداری ہر کام میں بنیادی اہمیت کا درجہ رکھتی ہیں تو اسی تناظر میں تاریخ نویسی میں ابتداء سے آخر تک محنت ہی سے حقائق اکٹھے ہوں گے وہ غلط روایات جو صدیوں سے چلتی آ رہی ہیں ان کے پیچھے چھپے ہوئے سچ کا انکشاف ہوگا ۔ مورخ کے غیر جانبداری سے حالات و واقعات کو بیان کرنا چاہئے علاوہ ازیں غیر جانبدار رائے دینا، تحریر کا انتخاب، نتائج اخذ کرنا، سوانحی قصیدہ نگاری سے اجتناب، تصنیف اور مصنف دونوں پر ضرورت کے وقت بے لاگ اور بے باک تبصرہ، تعصب سے بچ کر نکلنا وغیرہ، تعصب چونکہ کسی نہ کسی حوالے سے در آتا ہے اور اس دانستگی اور نادانستگی کا کوئی بھی حوالہ ہو سکتا ہے ۔ تعصب کے حوالے سے وہاب اشرفی اپنی کتاب ''تاریخ ادب اردو جلد اول'' میں لکھتے ہیں:

''ادبی مورخ کی اپنی پسند یا ناپسند اپنی جگہ لیکن علاقائی تعصب بھی کسی کے یہاں گلے کی پھانس رہا ہے ۔ اپنے علاقے کے ہر کہہ ومہہ کو استناد بخشنا انہیں بانس پر چڑھانے اور دوسرے علاقوں کے ممتاز فنکاروں کے بارے میں بے مروت ہونا عام سے بات ہے ۔ بہار سے دو مثالیں دیتا ہوں ۔ امداد امام اثر کی ''کاشف الحقائق'' حالی کی ''مقدمہ شعر وشاعری'' کے آس پاس شائع ہوئی ۔ ''کاشف الحقائق'' کا کینوس بڑا تھا، اس میں بعض عالمی ادیبوں اور شاعروں سے بھی روشناس کرانے کی سعی ملتی ہے، شعر وشاعری کے مباحث اپنی جگہ لیکن

کیا کیجئے ایک عرصے تک یہ کتاب سرد خانے میں پڑی رہی، کچھ لوگوں نے توجہ بھی کی تو غایت درجہ سرسری، حد تو یہ ہے کہ عظیم آبادی کے کلیم الدین نے ''اردو تنقید پر ایک نظر'' میں امداد امام اثر کے ساتھ زیادتی کی بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ اردو تنقید کے ساتھ ظلم کیا ہے۔'' (۱۹)

ادبی تاریخ میں مورخ اگر تعصب سے کام لے گا تو بہت سے اہم ادیب اور شاعروں کی اہمیت کا ہمیں کبھی بھی علم نہیں ہو سکے گا اور وہ گمنامی میں ہی رہیں گے یا ان کی ایک تصویر کا غلط انداز سامنے آئے گا۔ مورخ کو ہر طرح کے تعصب سے بالاتر ہو کر تاریخ لکھنی چاہیے ورنہ ادبی تاریخ، غیر صحتمند اور نامکمل ہی رہے گی۔ ڈاکٹر تونسوی لکھتے ہیں:

''اردو شاعروں کی تاریخ لکھنا جہاں مشکل کام ہے وہاں ادیبوں اور شاعروں کے بارے میں دیانتداری سے رائے دینے کے سلسلے میں ادبی مورخ کو کئی پل صراطوں سے گزرنا پڑتا ہے مگر وہی نقاد اس منصب پر پورا اترتے ہیں جو غیر جانبداری سے کام لیتے ہیں، دوسرے کسی بھی گروہ بندی کا شکار نہیں ہوتے، تیسرے فن کاروں کی بجائے فن پاروں کو سامنے رکھتے ہیں۔'' (۲۰)

ادبی تاریخ میں جہاں شعراء اور نثر نگاروں کو ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے وہاں ادبی تحریکیں بھی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس سلسلے میں بات زیرِ غور رہنی چاہئے کہ ان تمام تحریکوں کو تذکرہ کیا جائے جنہوں نے ادب میں اہم کردار ادا کیا۔ اردو ادب میں دلی اور لکھنؤ کا دبستان، علی گڑھ تحریک، انجمن پنجاب، رومانی تحریک، ترقی پسند تحریک، حلقہ ارباب ذوق اور جدیدیت وغیرہ اہم تحریکیں ورجحانات ہیں۔ جن کے تذکرے کے بغیر ہماری اردو کی ادبی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ ان اصولوں کو مدنظر رکھ کر مورخ بہتر ادبی تاریخ لکھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی ''تاریخ ادب اردو'' کا مطالعہ کریں تو یہ تاریخ تحقیقی حوالے سے معتبر اور مستند ہے کہا نہوں نے سنین و واقعات کی تحقیق کی ہے اور حوالوں کو حواشی میں درج کیا ہے:
ادبی تاریخ کے لوازمات وخصوصیات کے بارے میں پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''ادب کی تاریخ وہ آئینہ ہے جس میں ہم زبان اور اس زبان کو بولنے اور لکھنے والوں کی اجتماعی وتہذیبی روح کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔ ادب میں سارے فکری، تہذیبی، سیاسی، معاشرتی اور لسانی عوامل ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک وحدت ایک اکائی بناتے ہیں اور تاریخ ادب ان سارے اثرات، روایات، محرکات اور خیالات ورجحانات کا آئینہ ہوتی ہے۔ میں نے اس شعور اور نقطہ نظر سے قدیم ادب کا مطالعہ کیا ہے۔'' (۲۱)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے جن اصول وقواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے ''تاریخ ادب اردو'' مرتب کی، درج

ذیل ہیں:

۱۔اردو ادب مختلف ادوار کی جداگانہ اکائیاں نہیں ہیں بلکہ ایک مربوط تاریخی روایت ہے۔

۲۔ادب کی تاریخ میں فکری، تہذیبی، سماجی وسیاسی عوامل کا تذکرہ تمہیدی طور پر لانا لازم ہے

۳۔سیاسی وسماجی اثرات کا ادب پر اثر ہونا لازمی اور ضروری ہے اور ان اثرات کا بیان ادبی تاریخ کا لازمہ ہے۔

۴۔واقعات اور سنین کی تحقیق کی گئی، مخطوطات اور مطبوعہ کتب کے حوالے حواشی دے دیے گئے ہیں۔

۵۔اختتام پر قدیم دور کی روایت کے تسلسل کو بیان کیا گیا ہے۔

۶۔تحقیق وتنقید میں توازن نظر آتا ہے۔

اس تمام بحث کے بعد یہ بات کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ تاریخ ادب جیسے اہم موضوع کو جتنا آسان لیا جاتا ہے اتنا ہی ان اصولوں پر عمل کرنا مشکل ہے۔مورخ کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔حقائق تک پہنچنا، مستند اور غیر مستند میں امتیاز کرنا آسان نہیں۔تاریخ نویسوں نے ان اصولوں کو اپنانے کی بھرپور کوشش کی جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ادبی تاریخ کے حوالے سے مستند اصول سامنے آئیں جن پر عمل کر کے ہر مورخ بہتر ادبی تاریخ لکھ سکے۔ادبی تاریخ میں مورخ کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے وہاب اشرفی خود تاریخ نویسی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اردو کی ادبی تاریخ کے کچھ مطالبات بھی ہیں۔جن کی طرف توجہ نہ کی گئی تو تاریخ کسی کام کی نہیں رہتی۔اگر مؤقف یہ رہے کہ آسانی سے جو مواد حاصل ہو جائے وہ کافی ہے اس میں رطب و یابس کی چھان پھٹک کے لئے محنت مطلوب ہے، اگر ایسے معمولات میں ہی مورخ الجھ جائے تو پھر کام آگے کیسے بڑھے؟ یہ بات اہم سہی لیکن اغلاط، دانستہ فریب کاری، بیانات میں غلو، خواہ مخواہ کی طوالت، نئے تحقیقی انکشافات سے بے خبری وغیرہ کسی بھی تاریخ کو ناقص ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں۔ادبی تاریخ نویسی کے باب میں یہ بحث بھی چل آتی ہے کہ سوانح کے حصہ کی طوالت کیا ہو، کسی ادیب یا شاعر کی زندگی کے حقائق اس کی تخلیقات یا نگارشات کی تفہیم میں کسی حد تک معاون ہو سکتے ہیں۔یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ادبی مورخ کی اپنی پسند یا ناپسند اپنی جگہ لیکن علاقائی تعصب بھی کسی کے یہاں گلے کی پھانس رہا ہے، اپنے علاقے کے ہر کہہ ومہہ کو اسناد بخشنا، انہیں بانس پر چڑھانا اور دوسرے علاقوں کے ممتاز فنکاروں کے بارے میں بے مروت ہونا عام سی بات ہے۔میں مغرب کے حوالے سے یہ جرات کر سکتا ہوں

کہ وہاں کی ادبی تاریخیں بے حد Up To Date ہوتی ہیں ۔مغربی ادبی مورخ کسی بھی فنکار کے بارے میں چاہے وہ اس کا ہم عصر ہی کیوں نہ ہو ایک رائے قائم کر لیتا ہے، ردو انتخاب اس کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے، لیکن اردو میں ایسے مظاہرے سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ میرے خیال میں اس رجحان کو بدلنا چاہئے ۔اردو ادب کی تاریخ ایک اور مسئلے میں ہمیشہ گرفتار رہی ہے، وہ ادبی سکول یا دبستانوں کا معاملہ ہے ۔بعض تسلیم شدہ دبستان مثلاً دہلی یا لکھنؤ کے بارے میں شاید اختلافی پہلو بہت کم ہو سکتے ہیں لیکن رام پور کا دبستان، دبستان عظیم آباد اور ایسے کتنے ہی دبستانوں کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ مجھے دبستانوں سے چڑ نہیں ہے لیکن کوئی ضروری نہیں کہ کسی فن کار کو کسی سکول سے وابستہ کر کے ہی گفتگو کی جائے۔'' (۲۲)

وہاب اشرفی نے مختلف باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا ایک مورخ کو ادبی تاریخ لکھتے وقت خاص خیال رکنا چاہیے کہ مورخ کو مواد کی تلاش میں ایمانداری اور محنت سے کام لینا چاہیے تا کہ اغلاط کم سے کم ہوں اور بے جا طوالت کسی ادیب کے حوالے سے وہ بھی ادبی تاریخ کے لئے ناقص ہے۔ اس کے علاوہ وہاب اشرفی نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ مغربی ادبی مورخ کیطرح جو اپنے ہم عصر ادیبوں کے بارے میں رائے دیتے ہیں ہمیں بھی ایسے ہی کرنا چاہئے۔

حوالہ جات

۱۔ منزہ منور، انٹرویو: از سلیم اختر، بمقام اقبال ٹاؤن، لاہور، تاریخ ۲۰ جولائی ۲۰۱۱ء

۲۔ علی جاوید، ڈاکٹر، برطانوی متشرقین اور تاریخ ادب اردو، دہلی: ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، ۱۹۹۳ء، ص:۲۳

3. Hudson William Henery- An introduction to the study of literature, London , George press , 1965, P-36

۴۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو کی ادبی تاریخ کا بنیادی مواد اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق، مشمولہ: قومی زبان، ماہنامہ، کراچی، اگست ۲۰۰۲ء ص:۲۴

۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، مطبع سوم، ۱۹۹۴ء، ص:۱۳

۶۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ادبی تاریخ کی تشکیل نو کے مسائل، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، مرتبین: ڈاکٹر سید عامر سہیل و نسیم عباس احمد، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۰ء، ص:۶۲

۷۔ ایضاً، ص:۶۴

8: Muhammad Sadiq, Dr, A history of urdu literature , London : Oxford University press, 1964, P-XIV

۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ص:۱۲
۱۰۔ سلیم بیگ، مرزا، داستان تاریخ، مشمولہ: تحقیق، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ نمبر۳، ۱۹۸۹ء، ص:۱۷۲
۱۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، مطبع سوم، ۱۹۹۴ء، ص:۱۴
۱۲۔ سعد مسعود غنی، ادبی تاریخ نویسی اور تواریخ ادب اردو، ملتان: المغرب پبلشرز، ۲۰۰۵ء، ص:۱۶
۱۳۔ رشید حسن خان، ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۳ء، ص:۱۸۔۱۶
۱۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ص:۱۳
۱۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ص:۱۲
۱۶۔ محمد سعید، ادبی تاریخ نگاری میں اسلوب کی اہمیت، مشمولہ: ادبی تاریخ نویسی، مرتبین: ڈاکٹر سید عامر سہیل و نسیم عباس احمر، لاہور: پاکستان کوارپریٹیو سوسائٹی، ۲۰۱۰ء، ص:۲۱۰
۱۷۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۸ء، ص:۲۳
۱۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، ص:۱۳
۱۹۔ وہاب اشرفی، تاریخ ادب اردو، جلد اول، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۷ء، ص:۱۸
۲۰۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، ہم سفر بگولوں کا، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء، ص:۱۱۸
۲۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد اول، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۲ء، ص: پیش لفظ
۲۲۔ وہاب اشرفی، تاریخ ادب اردو، جلد اول، ص:۱۹

☆.....☆.....☆